ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

تجارتی بیمہ؛ قائلین ومانعین کی ادلہ کا جائزہ

COMMERCIAL INSURANCE; A REVIEW OF THE ARGUMENTS OF THOSE WHO SAY IT IS NOT PERMISSIBLE AND THOSE WHO SAY IT IS PERMISSIBLE.

*Dr. Abdul Rehman[1], **Muhammad Haroon[2]

ABSTRACT

Human beings are pure by nature. In reality, the life of a good-natured person is naturally connected with both religion and the world. It is also a fact that a person who balances their religious and worldly life remains happy in all circumstances. But, time and society have different effects on a person's nature, which can sometimes affect their religious life and sometimes their worldly life. Since religion and the world are interconnected, one aspect's influence can affect the other. The central aspect of a person's worldly life is their economic livelihood, which is linked to trade. Then, religion provides some guiding principles to secure and stabilize trade, and acting upon these principles can secure and improve the livelihood of all members of society. Human economic livelihood is comprised of wealth and property, which is deeply loved by humans, as stated by Allah, 'And you love wealth with a mighty love.' Therefore, humans make every effort to secure and accumulate it. In every era, humans have adopted different methods to secure their economic livelihood, trade, and wealth. In the present age, insurance policies, also known as takaful, have been adopted as a means of securing one's wealth. There are different forms of insurance policies, and there is a significant difference of opinion among Islamic scholars regarding the permissibility of commercial insurance policies. Both permissive and prohibitive views exist, and it is not possible to act upon both views simultaneously. Therefore, a thorough discussion of both views and their evidence is necessary to determine the preferred opinion".

انسان اپنی اصل کے اعتبار سے سلیم الطبع ہے اور حقیقت میں ایک سلیم الطبع انسان کی زندگی طبعی طور پر دین اور دنیا دونوں سے مربوط ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ دینی و دنیاوی زندگی رکھنے والا انسان ہر حال میں خوش بخت رہتا ہے۔ پھر وقت اور معاشرہ اس کی طبع پر مختلف اثرات مرتب کرتے ہیں جن کی وجہ سے کبھی اس کی دینی زندگی متاثر ہوتی ہے اور کبھی دنیاوی۔ چونکہ دین اور دنیا باہم مربوط ہیں تو ایک پہلو کے متاثر ہونے سے دوسرا پہلو بھی متاثر ہوتا ہے۔ انسان کی دنیاوی زندگی کا سب سے مرکزی پہلو اس کی معاش ہے جو تجارت سے منسلک ہے۔ پھر دین اس کی تجارت کو محفوظ اور مستحکم بنانے کے لیے کچھ رہنما اصول متعارف کراتا ہے، جن پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے کے تمام افراد کی معاش جہاں محفوظ ہوتی ہے وہاں خوب سے خوب تر بھی ہوتی ہے۔ انسانی معاش مال و دولت سے عبارت ہے جس کی محبت انسان کی طبع میں شامل ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا "(اور تم مال کی شدید ترین محبت میں گرفتہ ہو)، اس لیے اس کو محفوظ اور جمع کرنے کی مکمل کوشش کرتا رہتا ہے۔ ہر دور میں انسان نے اپنی معاش،(تجارت اور مال و دولت) کو محفوظ بنانے کے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں، جبکہ عصر حاضر میں بیمہ پالیسی یعنی انشورنس- جسے عربی میں تامین کہا جاتا ہے- کے ذریعہ سے محفوظ بنانے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بیمہ پالیسی کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے تجارتی بیمہ پالیسی کے فقہی حکم میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے جواز اور عدم جواز دونوں پر دلائل موجود ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک وقت میں دونوں حکموں پر عمل کیا جاسکے، کسی ایک حکم کو یقینی طور پر ترجیح حاصل ہوگی۔ اسی راجح حکم تک پہنچنے کے لیے بحث ھذا میں دونوں آراء اور ان کی ادلہ کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ: تامین۔ مستامن۔ مؤمن۔ غرر۔ حاجت۔ عقود

Commercial Insurance: تجارتی بیمہ / تامین:

---

[1] : Lecturer Islamiat, G.M.G. College, G.M Abad Fsd. phdinislamiat@gmail.com
[2] : Lecturer Arabic, Govt Graduate College J.M.S. Bhawana, Chiniot haroonbinmajeed@gmail.com

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

انشورنس کا پس منظر:

انشورنس عصر حاضر کا ایک اہم ترین اور جدید مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں اس کا تعارف اور تذکرہ تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے متقدمین فقہاء و علماء کے ہاں اس کے متعلق کوئی خاص تذکرہ یا بحث بھی نہیں ملتی جس پر اسے قیاس کیا جاسکتا ہو۔ فقہاء میں سے سب سے پہلے جنہوں نے اس موضوع پر کچھ لکھا ہے وہ امام ابن عابدینؒ (1836م) ہیں، انہوں نے رد المحتار علی الدر المختار میں "استئمان الکافر" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اسے "سوکرہ" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی ابتداء اصل میں تب ہوتی ہے جب مشرق و مغرب کے تاجروں کے درمیان تجارتی روابط زور پکڑتے ہے۔ جیسا کہ امام ابن عابدینؒ رقمطراز ہیں؛

> "آج کل تاجر لوگ جو سوکرہ کی رقم ادا کرتے ہیں اور حربی کافر کا تجارت کو تحفظ دینے پر مال لینا، اس پر مسلسل اٹھنے والے سوال کا جواب ہمارے بیانیے میں موجود ہے کہ عمومی طور پر تاجر لوگ جب کسی حربی کافر سے سواری اجرت پر لیتے ہیں تو اس سواری کی اجرت کے ساتھ ساتھ انہیں ایک خاص مقدار اور خاص مد میں مال ادا کرتے ہیں، اس مال کو "سوکرہ" کا نام دیا جاتا ہے، جو اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ بحری جہاز میں جو سامان تجارت اگر کسی وجہ سے غرق ہو جاتا ہے یا جل جاتا ہے یا لوٹ لیا جاتا ہے وغیرہ کچھ بھی ہو جاتا ہے تو ضامن (جس کو سوکرہ دیا گیا ہوتا ہے) وہ اس تلف شدہ مال کا مکمل عوض ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے اور اس کے پیچھے حاکم وقت کی طرف سے ایک مزید ضامن بھی ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو تاجر کے لیے یہ تلف شدہ مال کا عوض لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ایسی چیز کا مطالبہ جس کا دوسرا بندہ ذمہ دار ہے ہی نہیں۔ اور اگر میری اس رائے پر یہ سوال پیدا ہو کہ جب ضامن کسی سامان کی ضمانت پر اجرت لے تو سامان کے تلف ہونے کا وہ ضامن بھی ہے، تو میرا جواب پھر یہ ہے کہ مسئلہ کچھ اور ہے وہ یہ کہ سامان تجارت جو تلف ہوا وہ اس ضامن کے پاس سرے سے ہے ہی نہیں وہ تو بحری جہاز والے کے پاس ہے، نہ کہ دور اور الگ بیٹھے شخص کے پاس، اور بالفرض اگر ضامن خود ہی بحری جہاز والا ہے تو اس کی حیثیت شریک مزدور جیسی ہے جو سامان کے لادنے کی اجرت بھی لے رہا ہے اور اس کی حفاظت کی بھی، لہذا کچھ بھی ہو جس چیز سے بچنا ممکن نہ ہو اس کی ضمانت بھی نہیں ہوتی مثلاً موت اور غرق وغیرہ"[1]۔

امام ابن عابدینؒ کے اس اقتباس سے انشورنس کی ابتداء اور پس منظر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی امر کے پیش نظر معاصر علماء کے فتاویٰ سے خصوصی استفادہ کیا جائے گا تا کہ اس کا صحیح مفہوم، اختلاف، سبب اختلاف اور حکم معلوم ہو سکے۔

لغوی واصطلاحی مفہوم:

بیمہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جسے عربی میں "تامین" اور انگلش میں "انشورنس" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیمہ کے متعلق شرعی حکم پر بحث کی جارہی ہے تو مناسب ہے کہ بحث ھذا میں بیمہ کی بجائے لفظ "تامین" استعمال کیا جائے کیونکہ شرعی حکم جاننے کے لیے آیات، احادیث اور عربی لغات سے استفادہ کرنا پڑے گا۔

"تامین" عربی میں باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا لغوی معنیٰ "دل کا اطمینان اور خوف کا ختم ہونا" ہے۔ اس کا اسم فاعل "آمن" آتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ " رب اجعل هذا البلد آمنًا "[2] اے میرے رب! تو اس شہر کے رہنے والوں کو بے خوف و مطمئن کر دے۔ اسی طرح سورت توبہ میں ہے کہ "ثُمَّ أَبْلِغْهُ

---

[1]: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار على الدر المختار ، دار الفكر، بيروت، 1992م، ج: 4، ص: 170

[2]: إبراهيم 14 : 35

مَأْمَنَهُ "[1] اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طلب گار ہو تو اسے پناہ دے دو تا کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی جائے امان پہنچادو۔ یہاں لفظ "مامن" سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں وہ امن پاتا ہے۔

اصطلاحی مفہوم:

تامین کی کئی تعریفات کی گئی ہیں، ان میں سے مشہور اور جامع تعریفات مندرجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر علامہ سنہوری اپنی تصنیف الوسیط میں رقمطراز ہیں؛

"عقد يلتزم المؤمِّن بمقتضاه أن يؤدي إلى المؤمَّن له، أو إلى المستفيد الذي اشترط التامين لصالحه مبلغا من المال، أو إيراد مرتبا أو أي عوض مالي آخر في حالة وقوع الحادث أو تحقق الخطر المبين بالعقد؛ وذلك في نظير قسط أو أية دفعة مالية أخرى يؤديها المؤمَّن له للمؤمِّن"[2]

تامین سے مراد ایسا عقد اور معاہدہ ہے جس کے مطابق مؤمن اس امر کا پابند ہوتا ہے کہ وہ مؤمن لہ یا مستفید کو مخصوص مالی مبلغ ادا کرے گا یا معاہدہ میں مذکور کسی حادثہ یا نقصان کے واقع ہونے پر مالی امدار فراہم کرے گا، بعوض اس مالی قسط کے جو مؤمن لہ ادا کرے گا مؤمن کو۔

اس تعریف سے تامین اور اس کے ارکان کھل کر سامنے آتے ہیں، نیز مؤمن اور مؤمن لہ کا باہمی تعلق بھی واضح ہوتا ہے۔ مگر یہاں ایک چیز قابل ملاحظہ ہے کہ اس تعریف میں "احتمالیت" کے پہلو کا ذکر نہیں ہے۔ شاید طوالت کے پیش نظر صرف نظر کر دیا گیا۔ لیکن شیخ ثنیان نے بھی ایک جامع تعریف ذکر کی ہے بلکہ وہ تقریباً ہر لحاظ سے کامل تعریف محسوس ہوتی ہے، وہ رقمطراز ہیں کہ؛

"التأمين: التزام طرف لآخر بتعويض نقدي يدفعه له و لمن يعيّنه عند تحقق حادث احتمالي مبين في العقد، مقابل ما يدفعه له هذا الآخر من مبلغ نقدي في قسط أو نحوه"[3]

کسی متوقع اور طے شدہ حادثہ کے وقوع پر فریق اول کا فریق ثانی کے لیے، یا فریق ثانی کے متعین کردہ شخص کے لیے مالی مبلغ کا ہر صورت بندوبست کرنا، بعوض ان مالی قسطوں وغیرہ کے جسے فریق ثانی ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

یہ ایک جامع تعریف ہے جس میں تامین کے تمام ارکان وعناصر کا تذکرہ موجود ہے، ان ارکان وعناصر کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے؛

عناصر تامین:

1. رضامندی: طرفین -یعنی مؤمن (کمپنی) اور مؤمن لہ یا مستامن (تامین کا خواہاں) دونوں- کی باہمی رضامندی اور اتفاق۔
2. المؤمن: یعنی کمپنی یا ادارہ جو تامین میں بصورت نقصان یا تلف کے وقت بطور ضامن کی حیثیت رکھتے ہیں۔
3. المؤمن لہ / المستامن: اس سے مراد وہ شخص جو کسی کمپنی یا ادارے سے معاہدہ کرتا ہے۔

---

[1] : التوبة: 6]
[2] : السنهوري، عبد الرزاق، الوسيط في شرح القانون المدني الجديد، منشورات الحلبي، بيروت، 1998م، ج: 7، ص: 1084
[3] : الثنيان، سليمان بن إبراهيم، التأمين وأحكامه، دار ابن حزم، بيروت، 1424هـ، ص: 40

4. المستفید: اس سے مراد متامن خود بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی ہو سکتا ہے جسے متامن خود متعین کردے مثلا بیوی یا اولاد وغیرہ۔
5. قسط التامین: اس سے مراد مال کی وہ مقدار ہے جسے متامن ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔
6. مبلغ التامین: اس سے مراد مال کی وہ مقدار ہے جسے کمپنی یا ادارہ متامن کو کسی حادثے یا طے شدہ نقصان کے وقت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔
7. حادثہ یا نقصان: اس سے مراد المؤمن منہ ہے یعنی وہ حادثہ یا نقصان جس کے وقوع کی صورت میں طرفین نے باہم مخصوص معاہدہ کیا تھا۔

خصائص تامین:

عقد تامین کی چند ایک خاصیات ہیں، جن کی بناء پر یہ دوسرے عقود سے ممتاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ "حکم الشریعۃ الاسلامیۃ فی عقد التامین" میں ڈاکٹر حسین حامد حسان رقمطراز ہیں؛

عقد معاوضہ: تامین ایک ایسا معاہدہ ہے جس کی بنیاد معاوضہ پر ہوتی ہے، طرفین میں سے دونوں اپنی طرف سے ادا کی جانے والی چیز کے بدلے میں معاوضہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اس کی بنیاد کسی نیکی یا باہمی مبنی بر اخلاص تعاون پر نہیں ہوتی۔

عقد الزام: عقد کے نفاذ کے بعد طرفین میں سے کوئی بھی عقد سے رجوع نہیں کر سکتا، ماسوائے باہمی اتفاق کے دونوں اپنے طے شدہ امور کی ادائیگی کے پابند ہوتے ہیں،۔

احتمالی عقد: اس عقد کے مرکزی نقطہ یعنی عقد میں طے شدہ نقصان یا حادثہ کے وقوع کا علم دونوں طرفین میں سے کسی کو نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی طرفین کو اس حادثہ کی کمیت اور کیفیت معلوم ہوتی ہے، بس طرفین احتمال پر مبنی ایک عقد پر اتفاق کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس عقد کو عقود غرر یعنی دھوکہ پر مبنی عقود میں شمار کیا جاتا ہے۔

عقود اذعان: تامین ایسا عقد ہے جس میں طرفین میں سے ایک فریق زیادہ مضبوط اور زیادہ غالب ہوتا ہے اور یہ عموما کمپنی یا ادارہ ہوتا ہے بنسبت دوسرے فریق کے اور یہ متامن ہوتا ہے۔ کیونکہ کمپنی یا ادارہ ایسی شرائط وضوابط متامن پر نافذ کرتا ہے جسے اس کے لیے قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

تجارتی تامین کی اقسام:

تجارتی تامین کی حوادث اور نقصانات کے اعتبار سے عمومی طور پر تین بڑی اقسام ہیں۔

مملوکہ اشیاء پر تامین: اس سے مراد بندے کا اپنی ملکیتی اشیاء، مثلا، گھر، گاڑی اور سامانِ تجارت وغیرہ پر تامین کروانا ہے۔

ذمہ داری و فرائض پر تامین: اس سے مراد دوران ڈیوٹی یا فرائض منصبی میں غلطی وغیرہ کی وجہ سے پیش آنے والے حادثات اور نقصانات پر تامین ہے، مثلا ڈرائیور، ڈسپنسر، جراحین اور ڈاکٹر وغیرہ کہ جب ان کی غلطی سے کسی کا نقصان ہو جائے تو متاثرین ان سے نقصان کے ازالہ پر معاوضہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

جسمانی امراض وغیرہ پر تامین: بعض دفعہ انسان کو خطرناک بیماری لاحق ہو جاتی ہے یا انسان کے اعضاء میں سے کوئی عضو ناکارہ ہو جائے، جس سے کلی یا جزوی طور پر معذوری لاحق ہو جائے، جس کی وجہ سے انسان کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اس کے لیے گزران مشکل ہو جاتا ہے اس کے پیش نظر اس قسم کی تامین کرائی جاتی ہے۔

خاندانی تامین: زندگی میں بڑے بڑے مراحل مثلاً، شادی اور بچوں کی تعلیم وغیرہ میں انسان کو مالی استحکام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہر وقت ایک جیسا نہیں رہتا کبھی فراوانی اور کبھی تنگ دستی، اس لیے بعض لوگ عمومی حالات میں کسی کمپنی یا ادارہ سے خاندانی تامین کا عقد کرتے ہیں جو ان مراحل میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

زندگی کی تامین: یہ ایسا عقد ہے جس میں لوگ اپنی زندگی کی بقاء اور عدم بقاء پر عقد کرتے ہیں، اس تامین کی کئی ذیلی اقسام ہیں۔ اگر زندگی کی شام ہو جائے تو کمپنی یا ادارہ مستامن کے لواحقین مثلاً بیوی اور بچے اور والدین وغیرہ کو مالی سپورٹ فراہم کرتے ہیں۔ اور اگر زندگی لمبی ہو اور طے شدہ امر پر عقد کی مدت پوری ہو جائے تو کمپنی مستامن کو متعین مقدار میں مال دیتی ہے۔

سطور بالا میں مشہور اور متداول عقود تامین کا اختصار سے تذکرہ کیا گیا ہے، لوگ اپنے منافع اور اھداف کے پیش نظر کمپنی یا ادارے سے مختلف اقسام کے عقد تامین کرتے ہیں۔ اب آیا ان عقد کا حکم اور حیثیت کیا ہے مندرجہ ذیل میں قائلین اور مانعین کی آراء وادلہ اور ان کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

تجارتی تامین کا شرعی حکم:

تامین کے حوالہ سے علماء کے درمیان تین موقف پائے جاتے ہیں۔ پہلا موقف مطلق طور پر تامین کی حرمت کا ہے۔ دوسرا موقف مطلق طور پر تامین کے جواز کا اور تیسرا موقف تفصیل کا ہے جس میں تامین کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں پہلی قسم تامین تجاری اور دوسری قسم تامین تعاونی، اس موقف کے مطابق تجارتی تامین حرام ہے اور تعاونی تامین جائز ہے۔ ایک اور بھی تقسیم موجود ہے وہ یہ کہ جس تامین میں صرف غرر کا پہلو ہو وہ جائز ہے اور جس میں ربا کا پہلو ہو وہ حرام ہے۔ لیکن بنیادی طور پر تامین کی دو اقسام ہیں، ایک تجارتی اور دوسری تعاونی اور تامینِ تعاونی کے جائز ہونے پر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے جبکہ تجارتی تامین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اجمالی حکم کے بیان کے بعد مندرجہ ذیل میں مفصل حکم جاننے پر تحقیق پیش کی جاری ہے، جس میں فریقین کی ادلہ اور ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

تمہید:

تامین کو مطلق طور فقہاء کرام نے عقود غرر کے باب میں ذکر کیا ہے، کیونکہ اس میں مستامن اور مؤمن دونوں کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ کس کو کتنا اور کب فائدہ ہونا ہے۔ مستامن بعض دفعہ دو چار قسطیں ہی ادا کرتا ہے تو اس کو کوئی نقصان یا حادثہ پیش آجاتا ہے تو کمپنی کو اس کا مکمل مالی عوض ادا کرنا پڑتا ہے جو مستامن کی ادا کردہ قسطوں سے کئی گناہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ مستامن ایک لمبا عرصہ قسطیں ادا کرتا رہتا ہے اور اسے کوئی نقصان یا حادثہ پیش نہیں آتا اور اس کی ادا کردہ تمام قسطوں کی کمپنی حقدار بن جاتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ فریقین میں سے کسی کو بھی نقصان کی نوعیت کا کچھ علم نہیں ہوتا، آیا متوقع نقصان یا حادثہ معمولی ہو گا یا غیر معمولی۔ اس لیے اس میں غرر کا پہلو لازماً موجود ہوتا ہے۔

اس کے بعد پھر فقہاء کرام اس غرر کی نوعیت پر بھی بحث کرتے ہیں کہ آیا غرر فاحش ہے یا معمولی ہے اور اگر فاحش ہے تو انسان کی حاجت کو دیکھا جائے گا کہ آیا حاجت شدید ہے یا غرر شدید ہے؟ اور تامین کے قائلین اس حقیقت کے منکر نہیں ہیں کہ تامین میں غرر نہیں ہے، یقیناً اس میں غرر ہے، مگر یہ غرر انسانی حاجت اور

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

ضرورت کی بنسبت کم ہے، قائلین کے نزدیک انسان کی عقدِ تامین میں حاجت اور منافع زیادہ ہیں۔ اور یہ بھی کہ معاملات میں شرعی حکم اباحت کا ہوتا ہے جب تک کہ حرمت کی کوئی واضح دلیل موجود نہ ہو۔ تامین کے مطلق طور پر مانعین کے نزدیک تامین میں غرر کا پہلو زیادہ شدید ہے بلکہ غرر کے علاوہ بھی کئی عیوب موجود ہیں جن کا مفصل بیان آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

تجارتی تامین کے مانعین کی ادلہ اور ان کا جائزہ:

علماء کی ایک بڑی جماعت مطلق طور پر تامین کے حرام ہونے کی قائل ہے، ان میں سے مشہور ترین امام ابن عابدین الحنفیؒ[1]، الشیخ مفتی تقی عثمانی،[2] محمد بخیت المطیعی مفتی الدیار المصریہ[3]، ابوزہرہؒ[4]، احمد ابراہیم الحسینیؒ[5]، الشیخ الصدیق الضریرؒ[6]، علی القرہ داغیؒ[7]۔

1396ھ مکہ مکرمہ میں ہونے والی پہلی اقتصاد اسلامی کانفرنس کا فیصلہ بھی اس کی حرمت کیساتھ سامنے آیا۔ سعودی عرب کی مجلس ہیئۃ کبار العلماء کا موقف بھی یہی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی اور تنظیم مؤتمر اسلامی دونوں کے ماتحت چلنے والے مجمع الفقہی الاسلامی کے اکثر اراکین کی بھی یہی رائے ہے۔[8]

دلیل اول: عقد تامین میں غررِ فاحش ہے۔

یہ عقد تامین کی حرمت پر مضبوط ترین دلیل ہے، کیونکہ بیع میں غرر کا پایا جانا بیع کو فاسد کر دیتا ہے اور شرعی لحاظ سے غرر پر مشتمل بیع ممنوع ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے؛

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ" نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة، وعن بيع الغرر "[9] حضور اکرم ﷺ نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر (دھوکا) سے منع فرمایا ہے۔

دلیل کا جائزہ:

اس حدیث مبارکہ میں غرر (دھوکا) پر مشتمل بیوع کی حرمت کا ثبوت ہے اور عقد تامین میں ہر لحاظ سے غرر موجود ہے اس کی مقدار کے اعتبار سے بھی اور مدت کے اعتبار سے بھی۔ بلکہ عقد تامین کی بنیاد ہی عوض پر ہوتی ہے جس کے تحقق کا علم طرفین میں سے کسی کو بھی نہیں ہوتا، کیونکہ مستامن کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مدت تک اور کتنا مال دیتا رہے گا عوض حاصل کرنے کیلیے۔ کبھی تو مؤمن منہ متحقق ہوتا ہی نہیں ہے جس سے مستامن کو اس کے مال کا عوض ملتا ہی نہیں۔ اسی طرح مؤمن کو بھی بعض دفعہ سنگین قسم کا غرر پہنچتا ہے جیسا کہ مستامن نے ابھی چند ایک مالی قسطیں ہی دی ہوتی ہیں تو کوئی متعین حادثہ یا نقصان پیش آجاتا ہے جس پر مؤمن بھاری مالی عوض دینے کا پابند ہوتا ہے۔

---

[1] : ابن عابدین، رد المحتار، ج: 4، ص: 170
[2] : المؤتمر الاسلامي بجدة، مجلة مجمع الفقه الإسلامي، جده، 1431هـ، ج: 2، ص: 699
[3] : القرة داغي، علي محي الدين، التأمين الاسلامي دراسة فقهية تأصيلية، البشائر الإسلامية، بيروت، 2014م، ص:150
[4] : ايضا، ص: 159
[5] : شبير، محمد عثمان، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، دار النفائس، أردن، 2007م، ص: 116
[6] : مجلة مجمع الفقه الإسلامي، ج:2، ص: 679
[7] : القرة داغي، التأمين الاسلامي، ص: 191
[8] : الدبيان، دبيان بن محمد، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة، 1432هـ، ج:4، ص: 137
[9] : مسلم، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1955م، ح: 1513

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

اسی طرح طرفین میں سے کوئی بھی نقصان یا حادثے کی مقدار کا علم نہیں رکھتا، آیا نقصان کم ہو گا یا زیادہ، اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ جبکہ عوض کی مقدار میں جہالت، عقد کے بطلان کا موجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن رشد رقمطراز ہیں" والغرر ينتفي عن الشيء بأن يكون معلوم الوجود، معلوم الصفة، معلوم القدر، مقدورًا على تسليمه "[1] غرر صرف اسی صورت میں ختم ہو سکتا ہے جب اس کا وجود پہلے سے معلوم ہو، اس کی صفت معلوم ہو، اس کی مقدار معلوم ہو اور اس کی ادائیگی کی قدرت بھی ہو"۔ اسی طرح فتاوی ہندیہ میں ہے کہ" ويبطل الشرط الفاسد وجهالة البدل البيع والإجارة والقسمة والصلح عن دعوى المال[2]"(فاسد شرط اور بدل / عوض کی جہالت یہ دونوں امور بیع، اجارہ اور قسمہ کو باطل کر دیتے ہیں)لہذا عوض کا مجہول ہونا مالی لین دین کو باطل کر دیتا ہے۔

اسی طرح عقدِ تامین میں عوض بھی اس وقت ملے گا جب حادثے یا نقصان کا وقوع ہو گا اور طرفین میں سے کوئی بھی نہیں جانتا ہوتا کہ یہ کب پیش آئے گا۔ کبھی عقد کے فوری بعد ہی وقوع ہو جاتا ہے اور کبھی بہت دیر بعد یا پھر سرے سے اس کا وقوع ہوتا ہی نہیں۔

دلیل کی قطعیت:

مذکورہ بالا جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد تامین میں غرر ہر صورت میں پایا جاتا ہے، کیونکہ عقد تامین عقد معاوضہ ہے۔ طرفین میں سے ہر ایک کا مقصد عوض لینا ہوتا ہے۔ اب اس عوض میں طرفین میں سے کسی نا کسی کو نقصان کا سامان کرنا پڑے گا، اگر حادثہ جلد پیش آگیا تو مؤمن کو غرر پہنچتا ہے اور اگر حادثہ بہت لیٹ پیش آیا یا سرے سے آیا ہی نہیں تو مستامن کو غرر پہنچتا ہے۔

مانعین کی یہ دلیل ایک قطعی دلیل ہے جس کا قائلین کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے۔ جیسا کہ عقد تامین کے قائل الشیخ الدبیان رقمطراز ہیں کہ"وألتمس من القارئ ألا يستطيل الحديث عن الغرر، فإن هذا الدليل، هوأقوى دليل للمانعين، أو لعله هو الدليل الوحيد الذي يستحق الوقوف عنده" [3](قارئین سے درخواست ہے کہ غرر کے موضوع پر بحث کو طول مت دیں، کیونکہ مانعین کی یہ دلیل سب سے مضبوط دلیل ہے، بلکہ یہی ایک دلیل ہے جس کے سامنے رک جانا ہی مناسب ہے)۔

غرر کے مؤثر یا غیر مؤثر ہونے کا بیان:

عقد تامین کے قائلین کا کہنا ہے کہ تامین میں لوگوں کی حاجت شدید ہو چکی ہے بلکہ اس کی حیثیت بلوائے عامہ کی ہو چکی ہے، اس لیے اس کا حکم حرمت سے اباحت میں بدل گیا ہے۔ جیسا کہ الشیخ الدبیان لکھتے ہیں؛

> "نسلم بأن عقد التأمين ينطوي على غرر كثير، وأن الأصل فيه التحريم، ولكن أباحته الحاجة الملحة العامة. وهذا ما أميل إليه"[4](ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ تامین میں غرر معمولی نہیں بلکہ کثیر ہے اور اس کا اصل حکم حرمت کا ہی ہے، لیکن کثیر حاجت اور ضرورت نے اسے مباح کر دیا ہے)۔

مزید الشیخ الصدیق الضریر کا قول پیش کرتے ہیں؛

---

[1] : ابن رشد، محمد بن أحمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، دار الحديث القاهرة، 2004م، ج: 2، ص: 138

[2] : جماعة العلماء، الفتاوى الهندية، دار الفكر بيروت، 1310هـ، ج:6، ص: 443

[3] : الدبيان، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة، ج:4، ص: 142

[4] : أيضا، ج:4، ص: 153

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

"جب کسی مالی معاملہ میں حاجت اور غرر دونوں پہلو موجود ہوں تو غرر خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو اِس معاملہ کو متاثر نہیں کرے گا۔ کیونکہ تمام تر عقود جن کو شریعت نے مشروع کیا ہے ان کا پس منظر لوگوں کی حاجت اور ضرورت ہے۔ جبکہ شریعت کی مبادیات میں سب سے مجمع علیہ پہلو بھی "رفع الحرج" ہے(یعنی لوگوں سے ان کی ضروریات میں تنگی پیدا کرنے والے امور کو ہٹادینا)" وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ "[1](اور تمہارے واسطے دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی)۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جن عقود میں لوگوں کی حاجت کا پہلو نمایاں ہو اُن عقود سے منع کرنے سے لوگوں میں تنگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے حکمت اور شفقت کے پیش نظر لوگوں کے لیے ان کی حاجت کی عقود کو غرر کے پہلو کے باوجود مباح کر دیا"[2]۔

غرر کے غیر مؤثر ہونے کا جائزہ:

شارع علیہ السلام نے مالی معاملات میں بائع اور مشتری دونوں کو محفوظ رکھنے کے لیے احکام مشروع کیے ہیں۔ یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ عقد تامین میں غرر موجود ہے اور غرر بھی کثیر قسم ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ غرر کثیر یا تو مؤمن کو پہنچے گا یا متامن کو۔ اور پھر یہ کہنا کہ لوگوں کی اس عقد کے لیے حاجت بڑھ چکی ہے اس لیے اس غرر کا اثر ختم ہو گیا ہے اور حرمت کی بجائے اس کا حکم مباح ہو گیا ہے تو یہ سرے سے غلط ہے۔ کیونکہ نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حکم پر سرخم تسلیم کر دیا لیکن اس کا سرکہ بنانے کے حوالہ سے اجازت مانگی اور اپنی شدید حاجت اور ضرورت کا اظہار کیا! مگر وہاں تو نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو مومنوں کی ہر نفع پر حریص رہتے ہیں منع کر دیا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رَضِيَ ٱللَّٰهُ عَنْهُ کی روایت میں ہے کہ "أن النبي ﷺ سئل عن الخمر تتخذ خلا، فقال: «لا»"[3]۔(نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے شراب کے بارے میں پوچھا گیا کہ اگر اس کا سرکہ بنالیا جائے؟ تو آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: نہیں)۔ یہ تو معلوم ہے کہ شراب کو سرکہ میں تبدیل کر دینے سے نہ تو نشہ رہتا ہے اور نہ شراب کی اصل باقی رہتی ہے اس کے باوجود نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سرکہ سے منع فرمادیا جبکہ یہاں لوگوں کی حاجت بھی تھی اور فائدہ بھی اس کے باوجود منع فرمادیا گیا۔ لہذا یہ کہنا کہ لوگوں کی حاجت بڑھ گئی ہے تو تامین کو غرر کے باوجود جائز قرار دے دیا جائے یہ مذکورہ حدیث کی بناء پر صحیح نہیں ہے۔

اور پھر عقد تامین کے غرر کو بیع العرایا پر قیاس کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ بیع العرایا میں عوض معلوم ہوتا ہے اور وقت کے اعتبار سے نقد بنقد ہوتی ہے اور بیع العرایا عقود ازعان میں سے بھی نہیں ہے۔ جبکہ عقد تامین میں عوض طرفین میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی عوض کی ادائیگی کے وقت کا علم ہوتا ہے اور یہ عقود ازعان میں سے ہے۔ لہذا عقد تامین کے غرر کو بیع العرایا پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

دلیل ثانی: عقد تامین، قمار ہے۔

عقد تامین کے مانعین کے نزدیک عقد تامین میں قمار پایا جاتا ہے اور قمار بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ صحیح البخاری کی روایت میں ہے کہ "ومن قال لصاحبه: تعال أقامرك، فليتصدق"[4]

دلیل کا جائزہ:

تامین کی تعریف تو شروع میں گزر گئی ہے جبکہ قمار کی تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

---

[1] : الحج 22: 78
[2] : الدبیان، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة، ج:4، ص: 155
[3] : مسلم،صحيح مسلم، ح: 1983
[4] : أيضا، ح: 1647

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

معجم المصطلحات المالیہ میں قمار کی تعریف کے بارے میں لکھا گیاہے کہ

قمار کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں عین غرر پر کوئی چیز گروی رکھی جاتی ہے، جس کی ملکیت جانبین میں کسی خطرہ پر معلق ہوتی ہے۔اسی کے ہم معنی تعریف امام ابن تیمیہؒ نے بیان کی ہے کہ کسی انسان کے مال کو جوکھوں میں پڑ کر حاصل کرنا، اس کے بدلے اس کو کچھ حاصل ہو یا نہ ہو؟".... أخذ مال الإنسان وهو على مخاطرة، هل يحصل له عوضه أو لا يحصل؟....."امام ابن تیمیہؒ کے علاوہ کی تعریف میں ہے کہ قمار سے مراد مال کے استحقاق کو خطرات کے سپرد کرنا ہے۔فقہاء کی بڑی جماعت قمار پر میسر کا اطلاق کرتے ہیں"[1]

تامین اور قمار دونوں کی تعریفیں مد نظر رکھی جائیں قمار اور تامین میں بعض پہلوؤں سے مشابہت پائی جاتی نظر آئے گی۔

ایک پہلو تو یہ ہے کہ دونوں اپنے مال کو جوکھوں میں ڈالے رکھتے ہیں، مستامن قسطیں ادا کرتا جاتا ہے کہ شاید کوئی حادثہ ہو تو مجھے دوسرے فریق کا مال حاصل ہو خواہ حادثہ پیش آئے ہی نہ اور یہ قسطوں پر قسطیں ادا کرتا رہتا ہے۔جبکہ مؤمن اپنے مال کو مستامن کی معمولی سی قسطوں کے عوض اس کے کسی حادثے میں جھونکنے کے لیے تیار رہتا ہے۔جیسا کہ

دوسرا پہلو یہ کہ فریقین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کیلیے کسی قسم کی کوئی سرگرمی عمل میں نہیں لاتے۔جب کہ پیسہ ایک دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اس لیے عقد تامین میں کسی حد تک قمار بھی پایا جاتا ہے۔جیسا کہ الشیخ محمد بخیت المطیعی لکھتے ہیں کہ "عقد تامین شرعی طور پر فاسد عقد ہے،" لأنه معلق على خطر تارة يقع وتارة لا يقع فهو قمار معنى "اس کی وجہ یہ کہ یہ خطرات کے سپرد ہوتا ہے کبھی وہ خطرہ واقع ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، لہذا یہ معنوی طور پر قمار ہے"[2]۔

اسی طرح الشیخ احمد ابراہیم زندگی پر تامین کو قمار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

جب بندہ قسطیں ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے، حتی کہ بعض دفعہ تو ایک قسط ہی ادا کی ہوتی ہے اور کبھی بہت بڑی مبلغ باقی رہتی ہے-کیونکہ زندگی پر تامین کی مبلغ طرفین کے درمیان طے ہوتی ہے-تو پھر کمپنی کو اس متوفی کے واروں کو وہی طے شدہ مبلغ ادا کرنا پڑتی ہے--۔تو اتنی بڑی مالی مبلغ کس بناء پر متوفی کے وارثوں کو دی گئی؟(حالانکہ متوفی نے تو ابھی ایک دو قسطیں ہی ادا کی تھیں)۔کیا یہ(مخاطرہ)خطرات مول لینا نہیں ہے؟"أليس هذا مخاطرة ومقامرة"کیا یہ مقامرہ نہیں ہے؟ اگر یہ مقامرہ نہیں تو پھر مقامرہ کہتے کسے ہیں؟ بلکہ یہاں ایک دوسرے لحاظ سے بھی مقامرہ پایا جاتا ہے کہ اگر مستامن پوری قسطیں ادا کر دے گا تو اس قدر مالی مبلغ ملے گی اور اگر قسطیں ادا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے ورثاء کو اس قدر مالی مبلغ ملے گی۔کیا یہ قمار اور مخاطرہ نہیں؟ نہ تو مستامن کو کچھ علم ہوتا ہے اور نہ ہی کمپنی کو کہ اس متعین مالی مبلغ کا کون اور کب مستحق ہو گا؟![3]۔

استاذ ابوزہرہ تامین کو قمار کے مشابہے قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں؛

[1] : نزيه حماد، معجم المصطلحات المالية والاقتصادية في لغة الفقهاء، دار القلم، دمشق، 2008م، ص: 370

[2] : هيئة كبار علماء المملكة، أبحاث هيئة كبار العلماء، رئاسة العامة للبحوث العلمية، رياض، 2014م، ج: 4، ص: 118

[3] : أيضا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

بعض علماء کا کہنا ہے کہ تعاونی عقدِ تامین کے علاوہ عقد تامین میں قمار ہے یا ناجائز طریقے کی کمائی ہے، کیونکہ کبھی یہ بیس کیساتھ سو حاصل کرلیتا ہے اور کبھی سو کیساتھ سو حاصل کرلیتا ہے، کبھی کمپنی دو سو کا نقصان کرلیتی ہے اور کبھی مستامن سے ہزار بٹور لیتی ہے۔ مستامن کا یا اس کے ورثاء کا یہ مال حاصل کرنا ناحق ہے۔ تامین میں کی کسی صورت میں بھی خواہ لینا ہو یا دینا ہو مناسب اور حق نہیں۔" وأنه بهذا إن لم يكن مقامرا ففيه معنى القمار أو شبهته،[1] "اگر یہ قمار نہیں ہے تو اس میں قمار کا معنیٰ یا مشابہت تو ضرور پائی جاتی ہے۔

دلیل ثالث: عقد تامین اور ربا

مانعین کے نزدیک عقد تامین میں ربا کی دونوں قسمیں (ربا الفضل اور ربا النسیئۃ) پائی جاتی ہیں جبکہ ربا حرام ہے {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً}[2]۔ کیونکہ جب کمپنی مستامن کو اس کی قسطوں کے بدلے زیادہ مبلغ ادا کرتی ہے تو وہ ربا الفضل ہے کیونکہ یہ مال کے بدلے مال ہے۔ اور چونکہ کمپنی کی طرف سے یہ ادائیگی ایک مدت کے بعد کی جاتی ہے تو ربا النسیئۃ بھی بن جاتا ہے۔

دلیل کا جائزہ:

مال کے بدلے زیادہ مال لینا اور دینا یقیناً سود ہے۔ مستامن چونکہ جو قسطیں ادا کرتا ہے وہ مال ہیں اور کمپنی جو عوض ادا کرتی وہ بھی مال ہے، مال کے بدلے مال کا تبادلہ برابر برابر ہونا شرعاً لازم ہے، بصورت دیگر سود کے زمرے میں چلا جائے گا۔ جب کہ تامین عمومی طور پر کمپنی مستامن کو جو عوض ادا کرتی ہے وہ اس کی ادا کردہ مبلغ سے زائد ہی ہوتا ہے بلکہ کئی گناہ زائد ہوتا ہے۔ جیسا کہ زندگی پر تامین کرانے والا تو واضح طور پر مال کے بدلے زیادہ مال حاصل کرتا ہے یہ صراحتاً سود ہے۔ اور اگر مثلاً کسی شخص نے گاڑی یا فیکٹری وغیرہ کی تامین کرائی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو کمپنی اس کی مالی قسطوں کے بدلے حادثے یا نقصان کی صورت میں مال ہی ادا کرتی ہے تو یہ بھی مال کے بدلے زائد مال کے زمرے میں آکر سود ہے۔ دوسری صورت کہ کمپنی مال کی بجائے اس کو گاڑی یا فیکٹری وغیرہ ہی دیتی ہے یعنی جنس بدل جاتی ہے کیونکہ مستامن نے مال کے بدلے گاڑی یا فیکٹری لی۔۔۔ تو اس صورت میں اس کو ربا کہنا مناسب نہیں۔

دلیل رابع: عقد تامین میں بلا معاوضہ دوسرے کا مال ہتھیایا جاتا ہے۔

عقد تامین میں کمپنی یا ادارہ مستامن کے مال کو جب کوئی حادثہ یا نقصان وغیرہ پیش نہیں آتا تو بلا عوض قبضہ میں کرلیتا ہے اور مستحق بن بیٹھتا ہے، اسی طرح مستامن جب کبھی ایک دو قسطوں کی ادائیگی پر ہی نقصان یا حادثہ سے دوچار ہوجاتا ہے تو کمپنی سے اپنی ایک دو قسطوں کے عوض کئی گناہ زیادہ مال حاصل کرلیتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں ہوتا۔ جبکہ مالی عقود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا پیسہ لینا حرام ہے، جیسا کہ سورت نساء کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ " يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ "[3]، اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ماسوائے اس کے کہ تمہارے درمیان کوئی تجارت ہو باہمی رضامندی سے۔

دلیل کا جائزہ:

[1] : أيضا، ج:4، ص: 120
[2] : آل عمران 3 : 130
[3] : النساء 4 : 29

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

ممکن ہے اس دلیل پر کہا جائے کہ تامین میں عوض موجود ہے اور وہ ضمان ہے۔ ظاہر ہے مؤمن کی جانب سے مومن لہ کو ضمان دی جاتی ہے، اور اسے بے فکر کر دیا جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ مؤمن کچھ کیے بغیر مال حاصل کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو ایک قیمت میں دو چیزیں فروخت کی جارہی ہیں وہ یہ کہ ضمان بھی اور ساتھ میں متوقع حادثہ کا عوض یعنی اجبار وغیرہ بھی، اور یہ معلوم ہے کہ ایک بیع میں دو بیع جائز نہیں ہیں۔

دوسرا پھر آیا ضمان کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ ضمان کی دو صورتیں ہیں، تابع اور مستقل۔ تابع ضمان تو یہ ہے کہ کسی نے موبائل خریدا تو اس کے ساتھ اس کے ہر طرح سے فعال ہونے کی ضمان بھی شامل ہوتی ہے۔ اور مستقل ضمان سے مراد یہ ہے کہ مثلا کسی نے موبائل وغیرہ خریدا جس کے ساتھ پہلے سے سال یا دو سال یا جتنی بھی گارنٹی شامل تھی، مگر مشتری بائع سے مزید گارنٹی یعنی ضمان خریدنے کا مطالبہ کرے۔ تابع ضمان کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور مستقل ضمان کی خرید و فروخت یعنی اس کی قیمت لینے اور دینے کے حرام ہونے میں بھی اختلاف نہیں۔

تامین کے جواز اور عدم جواز میں ایک بڑی مرکزی حیثیت اس سوال کو بھی حاصل ہے کہ ضمان کی اجرت یا اس کا عوض لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ضمان کا عوض لینا جائز ہو تو تجارتی تامین کے جواز کی راہ ہموار ہو سکتی ہے، اس بناء پر کہ تامین میں کمپنی یا ادارہ جو مستامن سے عوض وصول کرتا ہے وہ ضمان کے بدلے میں ہوتا ہے تو جواز کا پہلو نکل سکتا ہے۔ لیکن ضمان کی قیمت، عوض یا اس کی اجرت لینے کے عدم جواز پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، جیسا کہ فقہ المعاملات المالیۃ المعاصرۃ میں مرقوم ہے؛

"أخذ مقابل على الضمان محرم شرعا فالضمان من عقود الإرفاق والإحسان ولذلك لا يجوز أخذ عوض مقابل الضمان يقول شخص لآخر اضمني ولك ألف هذا لا يجوز محرم لأنه من عقود الإحسان والإرفاق كالقرض لا يجوز أخذ مقابل عليه ولا عوض عليه واتفقت المذاهب الأربعة على هذا الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة وبهذا نعرف أن نظرة الإسلام لضمان تختلف عن نظرة البنوك للضمان فالإسلام ينظر للضمان كما ينظر للقرض على أنه من عقود الإرفاق والإحسان بينما البنوك للضمان تنظر على أنه من وسائل الكسب والاستثمار"[1]

"ضمان پر عوض لینا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ ضمان ان معاملات میں سے ہے جن کا تعلق ارفاق اور احسان سے ہے، اسی وجہ سے ضمان پر عوض لینا جائز نہیں ہے۔ مثلاً، اگر کوئی شخص کہے کہ میری ضمانت دیجیے، میں اس کے بدلے آپ کو ایک ہزار روپے دوں گا، تو یہ حرام ہے، کیونکہ ضمان ان عقود میں سے ہے جن کا تعلق ارفاق و احسان سے ہے، جیسا کہ قرض وغیرہ اور اس بات پر چاروں مذاہب کا بھی اتفاق ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام کا ضمان سے متعلق نظریہ بینک کے نظریہ سے مختلف ہے، اسلام ضمان کو قرض کے مشابہ دیکھتا ہے اور اسے ارفاق و احسان کے باب میں شمار کرتا ہے جبکہ بینک ضمان کو کمانے اور انویسٹمنٹ کے نظریے سے دیکھتا ہے"۔

اسی طرح مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی میں ہے کہ

"ان الكفالة هي عقد تبرع يقصد للإرفاق والإحسان، وقد قرر الفقهاء عدم جواز أخذ العوض على الكفالة"[2]

"کفالۃ یعنی ضمان ایک رضاکارانہ عقد ہے جس میں ارفاق و احسان مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ اور فقہاء کے ہاں یہ امر طے پا گیا ہے کہ اس کفالۃ یعنی ضمان پر کسی قسم کا عوض لینا جائز نہیں"

لہٰذا یقینی طور پر تامین کے مانعین کی یہ دلیل بھی قوی ترین معلوم ہوتی ہے اور قائلین کی ضمان پر اجرت اور عوض لینے کی توجیہی دلیل درست نہیں ہے۔

---

[1] : سعد بن تركي الخثلان، فقه المعاملات المالية المعاصرة، دار الصميعي، الرياض، 2012م، ص: 191

[2] : المؤتمر الاسلامي بجدة، مجلة مجمع الفقه الإسلامي، ج: 2، ص: 1030

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

تامین تجاری کے قائلین کی ادلہ اور ان کا جائزہ:

علماء کی ایک جماعت مطلق طور پر تامین کے جائز ہونے کی قائل ہے، ان میں سے مشہور ترین علامہ مصطفیٰ الزرقاء، الشیخ عبد اللہ صیام، الشیخ عبدالوہاب خلاف، الشیخ علی الخفیف، الشیخ عبدالرحمن عیسیٰ، الشیخ محمد احمد فرج السنہوری، الشیخ عبداللہ بن منیع اور استاذ رفیق ابن یونس المصری وغیرھم شامل ہیں۔[1]

الدلیل الاول: الاصل فی المعاملات الحل

تامین تجاری کے قائلین کی ایک مضبوط ترین دلیل مذکورہ بالا قاعدہ فقہیہ ہے، یعنی مسلمانوں کے باہمی معاملات میں اصل حکم جواز اور حلت کا ہے، جب تک کہ کوئی اعتراضات سے سالم دلیل اس کی حلت اور جواز کو حرمت میں بدل نہ دے۔ جبکہ تامین تجاری کے جواز کے قائلین کی طرف سے مانعین کی تمام ادلہ پر اعتراض وارد کیے جا چکے ہیں۔ لہٰذا تامین تجاری کی حرمت پر واضح اور سالم دلیل کا موجود نہ ہونا ہی اس کے جواز اور مباح ہونے کی دلیل ہے۔ نیز عقد تامین میں عامۃ الناس کی بہت بڑی مصلحت پائی جاتی ہے۔ اس مصلحت کے پیش نظر عقد تامین کا حکم جواز میں آتا ہے۔ جیسا کہ الشیخ دبیان الدبیان اپنے موسوعہ میں رقمطراز ہیں؛

"قلت: المعاملة المالية إذا تنازعها موجبان: أحدهما يدعو إلى التحريم، وهو وجود الغرر، والآخر يدعو إلى الإباحة، وهو قيام الحاجة العامة الملحة، كانت للأقوى منهما، وهو الإباحة"

میری رائے یہ ہے کہ جب دو موجب آپس میں متعارض ہوں؛ ایک غرر کی وجہ سے حرمت کا تقاضا کرے اور دوسرا عامۃ الناس کی شدید حاجت کی وجہ سے اباحت کا تقاضا کرے۔ تب اس طرح کی صورت میں قوی کی بجائے اقویٰ کے مطابق حکم جاری ہوگا (غرر اگرچہ قوی پہلو ہے مگر لوگوں شدید حاجت کا پہلو اقویٰ ہے) لہٰذا یہاں اباحت ہی ہوگی۔

دلیل کا جائزہ:

پہلے تو جان لینا چاہیے مصالح کی تین اقسام ہیں۔ پہلی قسم مصالح معتبرہ یعنی جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے اور یہ قابل حجت ہیں۔ دوسری قسم مصالح ملغاۃ یعنی وہ مصالح جو شریعت کی رو سے کالعدم ہوں۔ تیسری قسم مصالح مرسلہ یعنی جن کے بارے میں شریعت نے خاموشی اختیار کی ہو، اور یہ قسم قابل اجتہاد ہے۔

لیکن یہاں عقد تامین میں جس مصلحت کی طرف قائلین نے اشارہ کیا ہے وہ درست نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں یہ مصالح ملغاۃ میں سے ہے، کیونکہ عقد تامین میں شرعی ممنوعات موجود ہیں، جس میں سرفہرست غرر کا پایا جانا ہے، اور یہ ایک بڑا مفسدہ ہے، جس کی بناء پر عقد تامین کی مصلحت کو مصالح مرسلہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا بلکہ غرر، قمار اور اخذ مال الغیر بالباطل وغیرہ جیسے دیگر مفاسد کی وجہ سے مصالح ملغاۃ میں شمار کیا جائے گا۔

جبکہ قائلین کی یہ دلیل کہ معاملات میں اصل حکم حلت کا ہوتا ہے تو یہ دلیل کافی حد تک بظاہر درست معلوم ہوتی ہے اور پھر قائلین کا یہ دعویٰ کہ مانعین کی تمام ادلہ پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں، یہ بھی قابل التفات بات ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قائلین کی طرف سے مانعین کی ایک دلیل پر کوئی بھی مناسب اعتراض یا جواب وارد نہیں کیا جاسکا اور وہ "غرر" کا وجود ہے۔ تامین تجاری کی حرمت پر مانعین نے غرر کی دلیل سے استدلال کیا ہے، اور یہ تمام ادلہ سے مضبوط دلیل ہے۔ حتی کہ قائلین بھی اس دلیل کے معترف ہیں، جیسا کہ الشیخ الدبیان موسوعۃ المعاملات المالیہ میں شیخ مصطفی الزرقاء کا اعتراف نوٹ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

[1] : الدبيان، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة، ج:4، ص: 170

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

"فضيلة الشيخ مصطفى الزرقاء رحمه الله، وهو من انشرح صدره للقول بجواز التأمين بجميع أنواعه يرى أن أقوى دليل لمن قال بالمنع هو وجود الغرر، فيقول رحمه الله «شبهة الغرر التي هي أقوى، وأهم الشبهات التي يتذرع بها المنادون بتحريم التأمين.ويقول أيضًا: وأما شبهة الغرر - وهي الشبهة الوحيدة الجديرة بالوقوف عندها للنظر والتمحيص"-[1]

فضیلہ الشیخ مصطفی الزرقاء رحمہ اللہ وہ شخصیت ہیں جن کو تامین تجاری کی تمام اقسام کے جائز ہونے پر شرح صدر حاصل ہے، ان کا خیال ہے کہ تامین کے مانعین کی سب سے مضبوط دلیل "تامین میں غرر" کا پایا جانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غرر کا شبہ ہی سب سے قوی ہے اور اہم ترین شبہات میں سے ہے جس کی وساطت سے مانعین تامین حرمت کی بات کرتے ہیں"۔ اور ان کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ یہی ایک شبہ قابل غور اور قابل التفات ہے جہاں پر مزید تحقیق کے لیے رکا جاسکتا ہے"۔

اس کے علاوہ شیخ الدبیان بذات خود اس بات کے معترف ہیں کہ غرر والی دلیل قوی ترین ہے اور قاری کو اس دلیل کے سامنے رک جانے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس دلیل پر مناقشہ پر رہنمائی بھی کرتے ہیں، وہ قمطراز ہیں "وألتمس من القارئ ألا يستطيل الحديث عن الغرر، فإن هذا الدليل، هو أقوى دليل للمانعين، أو لعله هو الدليل الوحيد الذي يستحق الوقوف عنده، والمناقشة"[2]

الغرض قائلین اپنے موقف کی پہلی دلیل پر مطمئن ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر وارد اعتراض کے بھی معترف ہیں، توکیونکر ان کی یہ دلیل قبول کی جاسکتی ہے؟ ان کی دلیل تو خود اعتراض سے سالم نظر نہیں آرہی، تو دلیل کیسے بن سکتی ہے؟۔ مزید پھر قائلین نے غرر کے متفحش یا غیر متفحش کی تقسیم کرتے ہوئے غرر کا جواب دینے کی کوشش کی ہے، اس میں بے جا تکلف پایا جاتا ہے، بہت مشکل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں کہ مطلق طور پر غرر کے پائے جانے سے کوئی بیع فاسد نہیں ہوتی، بلکہ غرر سے بیع فاسد نہیں ہوتی، بلکہ اگر غرر شدید بھی ہو تو لوگوں کی حاجت اس غرر کو قابل التفات نہیں رہنی دیتی۔ بالآخر جب کثیر و قلیل کی تقسیم پر مطمئن نہ ہوئے تو، مزید ایک رخ موڑتے نظر آئے ہیں کہ صرف وہ غرر بیع کو فاسد کرتا ہے جو لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت ڈالے، اور جو غرر دشمنی اور عداوت نہ ڈالے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی!

قائلین کی یہ باتیں تکلف پر مبنی ہیں، کیا بھلے ایسا ہو سکتا ہے کہ غرر ہو اور دشمنی نہ ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غرر کے جو اثرات ہیں وہ کسی پر مرتب ہی نہ ہوں؟ اور پھر یہ کہنا کہ غرر کثیر بھی لوگوں کی شدید حاجت کے سامنے قابل التفات نہیں رہتا ہے، ایک عجیب سی منطق ہے، کیونکہ جب غرر کثیر ہو گا تو اس کے اثرات بہت جلد مرتب ہوں گے، جس سے شریعت نے لوگوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور پھر اگر معیار لوگوں کی خالص حاجت و ضرورت بنا کر جواز اور عدم جواز کا حکم لگانا ہے تو، موجودہ گورنمنٹ اور بڑے بڑے دانشور کہلوانے والے لوگوں کا اپنے تئیں کہنا ہے کہ سود کہ بغیر ملک نہیں چل سکتا! تو کیا سود کو بھی لوگوں کی شدید حاجت اور ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دے دیا جائے گا؟ لہٰذا قائلین کی یہ دلیل اپنے ظاہر کی حد تک ہی بھلی محسوس ہوتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تو تکلف ہے دوسرا قاعدہ فقہیہ کی غیر مناسب تطبیق کی کوشش کی گئی ہے۔

دوسری دلیل: نظام عاقلہ پر قیاس

عاقلہ سے مراد غلطی سے قتل کرنے والے شخص کے خاندان کے وہ افراد ہیں، جو دیت کی ادائیگی میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ شریعت نے عاقلہ کو مشروع قرار دیا ہے تاکہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے، اور خطاکار قاتل بوجھ سہہ سکے، کیونکہ بعض دفعہ قاتل فقیر ہوتا ہے اور دیت کی طاقت نہیں رکھتا، تو اس کے خاندان کے یہ افراد خود سے ادا کرتے ہیں، شرعی اصطلاح میں اس چیز کو عاقلہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ؛

[1] : الدبيان، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة، ج:4، ص: 117
[2] : الدبيان، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة، ج:4، ص: 142

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

"اقتتلت امرأتان من هذيل، فرمت إحداهما الأخرى بحجر، فقتلتها، وما في بطنها، فاختصموا إلى النبي ﷺ، فقضى أن دية جنينها غرة عبد، أو وليدة، وقضى أن دية المرأة على عاقلتها"(ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر مار کر قتل کر دیا، جبکہ مقتولہ حالت حمل میں تھی۔ بس پھر یہ وقوعہ حضور اکرم ﷺ تک اٹھایا گیا تو آپ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ جنین (وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو) کی دیت "غرۃ عبد" (قیمتی غلام) ہے اور عورت کی طرف سے دیت اس کے عاقلہ والے ادا کریں گے)

عقد تامین کے قائلین عاقلہ سے قیاس کے ذریعہ دلیل پکڑتے ہیں کہ کسی نقصان یا حادثہ سے دوچار شخص کی مصیبت کو ہلکا کرنے کا تصور نظام عاقلہ میں پائے جاتا ہے تو عقد تامین میں بھی تو نقصان اور حادثے کے اثرات کو متاثر شخص سے ہلکا اور خفیف کیا جاتا ہے، یعنی عقد تامین کو نظام عاقلہ پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں۔

دلیل کا جائزہ:

قائلین کا یہاں عقد تامین کو نظام عاقلہ پر قیاس کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ نظام عاقلہ کا پس منظر اور مقصد رضاکارانہ باہمی تعاون ہے، جبکہ عقد تامین کی خالص بنیاد معاوضے پر ہوتی ہے معاوضہ ہوگا تو کمپنی یا ادارہ عقد کرے گا وگرنہ نہیں کرے گا، یہی نہیں بلکہ منافع بھی مطلوب و مقصود ہوتے ہیں۔ دوسری طرف عاقلہ میں نا تو معاوضہ کا کوئی تصور ہے اور نہ ہی منافع وغیرہ کا۔ مزید یہ کہ عقد تامین تو ایک طویل مدتی عقد ہے اور قسطوں پر مشتمل معاہدہ ہے جبکہ عاقلہ میں نا تو اس لیے تامین کو عاقلہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، وگرنہ یہ واضح طور پر قیاس مع الفارق کی صورت ہو گی۔

تیسری دلیل: ملازمت کی تکمیل پر مالی وظائف (Retirement) پر قیاس

گورنمنٹ ملازم جب اپنی ملازمت کی مدت مکمل کرنے کے بعد خدمات سے سبکدوش ہوتا ہے تو گورنمنٹ اسے مالی لحاظ سے سپورٹ کرتی ہے، یعنی ریٹائرمنٹ اور پینشن وغیرہ دیتی ہے۔ اس کے وصول کرنے میں جمہور علماء کا موقف جواز پر ہے۔ عقد تامین کے قائلین اسی ریٹائرمنٹ کی پالیسی پر عقد تامین کو قیاس کرتے ہوئے تامین کو جائز قرار دیتے ہیں کہ ملازم شخص بھی ایک مخصوص مالی قسط ادا کرتا رہتا ہے اور ریٹائرمنٹ پر اسے وہ مال دوگنا اور چوگنا کر کے لوٹا دیا جاتا ہے۔ لہذا یہ بھی تو ایک تامین کی ہی صورت ہے، یہ جائز ہے تو تجارتی تامین جائز کیوں نہیں؟ جیسے ریٹائرمنٹ جائز ہے ویسے ہی عقد تامین جائز ہے۔

دلیل کا جائزہ:

قائلین عقد تامین کا یہ قیاس بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ ریٹائرمنٹ میں جو مال ملازم کو دیا جاتا ہے، اس میں سے کچھ اس کا ذاتی حصہ ہوتا ہے دوسرا کچھ حصہ گورنمنٹ کی طرف بطور تبرع اور عطیہ دیا جاتا ہے، جو گورنمنٹ اپنے ملازموں کو مالی استحکام دینے کی غرض سے دیتی ہے۔ جبکہ عقد تامین خالص معاوضاتی عقد ہے، جس میں منافع اور کمائی مقصود ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اگر ملازم دوران ملازمت بھی اپنی خدمات سے سبکدوش ہونا چاہے تو اسے کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی اور جو اس نے مال کٹوتی کی شکل میں جمع کرایا ہوتا ہے وہ لینے کا مکمل طور پر مجاز ہوتا ہے۔ جبکہ عقد تامین میں فریق واحد اپنی مرضی سے معاہدہ ختم نہیں کر سکتا اور اگر کرتا ہے تو اسے اپنے مالی حقوق سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

ان دونوں ملاحظات کے پیش نظر عقد تامین کے قائلین کے اس قیاس کی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ بھی قیاس مع الفارق کے زمرے میں آتا ہے۔

چوتھی دلیل: نظام چوکیداری / عقد حراسہ، پر قیاس

جب آپ کسی شخص کو چوکیدار مقرر کرتے ہیں، تو آپ اس کی چوکیداری پر اس کو مالی معاوضہ ادا کرتے ہیں، جس کے بدلے میں آپ کو امان ملتا ہے، آپ کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے اور آپ بے فکر ہو کر پر امن رہتے ہیں اور یہ شرعا جائز ہے۔ بعینہ تامین تجاری میں جب آپ کسی کمپنی یا ادارے کو مال ادا کرتے ہیں تو اس کے بدلے میں آپ کو اپنی تجارت کے نقصانات میں امان ملتا ہے۔ اگر عقد حراسہ یعنی چوکیداری شرعا جائز ہے تو عقد تامین بھی جائز ہے جو مقاصد و مطلوبات کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔

دلیل کا جائزہ:

عقد تامین کے قائلین کا یہ قیاس بھی محل نظر ہے۔ غور کریں عقد حراسہ (یعنی گاڑی اور گھر وغیرہ کی حفاظت کا عمل) میں محل عقد جو چیز ہوتی ہے وہ اجرت اور عمل حراسہ ہوتا ہے یعنی چوکیداری اور پھر اس پر اجرت، یہ عقد "امان" پر ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ امان اس عقد کی غایت اور نتیجہ ہو سکتا ہے نہ کہ محل عقد۔ بالفرض اگر چوکیدار اپنی ذمہ داری بااحسن طریقہ سے انجام دے رہا ہے اس کے باوجود کوئی نقصان ہو جائے تو کیا چوکیداری کا معاوضہ سلب کر لیا جاتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! کیونکہ عقد کا محل امان نہیں ہوتا، بلکہ اجرت اور حراست ہوتا ہے۔ جبکہ عقد تامین میں محل عقد چیز اقساط اور مبلغ التامین ہوتا ہے۔

آسان پیرائے میں کہا جا سکتا ہے کہ چوکیدار کو جو معاوضہ ملتا ہے وہ اس کی محنت کا ملتا ہے۔ چوکیدار اپنے گھر میں نہیں بیٹھا رہتا ہے بلکہ جہاں اس کو ذمہ داری سونپی جاتی ہے اس کا وہاں موجود ہونا اور ڈیوٹی ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اس عمل کے بدلے اس کو مالی معاوضہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ عقد تامین میں کمپنی کسی قسم کی کوئی بھی ذمہ داری عملا ادا نہیں کرتی ہے، جس کی بناء پر اسے معاوضہ دیا جاتا ہو، بلکہ مستامن سے کسی متوقع حادثہ یا نقصان پر مدد کی یقین دہانی پر مالی معاوضہ لیتی ہے۔ لہٰذا یہاں علت مشترکہ دور دور تک نہیں پائی جاتی کہ جس کی بناء پر قیاس کیا جاسکے۔

پانچویں دلیل: الخراج بالضمان

اس قاعدہ کا اجمالی مفہوم ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے گائے خریدی اور اس کا دودھ حاصل کرتا رہا چند دنوں بعد اس جانور میں کوئی عیب سامنے آگیا تو یہ گائے بائع کو واپس کر دے گا اور جو دودھ حاصل کرتا رہا ہے اس کا عوض نہیں دے گا کیونکہ جب تک یہ جانور اس کے پاس رہا وہ اس کی ذمہ داری میں رہا اگر ھلاک ہو جاتا تو یہی ذمہ دار تھا، اس ذمہ داری یا ضمان کے بدلے یہ دودھ کا عوض ادا نہیں کرے گا صرف گائے واپس کرے گا۔

اب اس شخص نے جو دودھ حاصل کیا اس کا معاوضہ صرف ضمان تھا گویا کہ یہاں ضمان کی مالی قدر شمار کی گئی ہے۔ پھر خرید و فروخت میں تبادلہ ضروری ہے اور تبادلہ صرف انہیں چیزوں کا ہو سکتا ہے جو مالی قدر رکھیں۔ چونکہ ضمان مذکورہ قاعدہ کی بناء پر مالی قدر رکھتی ہے اس لیے یہ عوض بھی بن سکتی ہے۔ جب عوض بن سکتی ہے تو یہ ضمان مستامن کی قسطوں کا عوض کیوں نہیں بن سکتی؟۔ لہذا کمپنی یا ادارہ مستامن کو اس کی مالی اقساط کے بدلے ضمان بطور عوض دیتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

دلیل کا جائزہ:

قائلین کا یہ استدلال غیر موقع و محل ہے۔ کیونکہ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ "الضمان بالخراج" والی حدیث میں یا قاعدہ فقہیہ میں جس ضمان کا تذکرہ ہے وہ تابع ضمان ہے اور تابع ضمان کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔ اور عقد تامین میں پائی جانے والی ضمان مستقل ضمان ہے جس کی خرید و فروخت کے حرام ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ لہذا عقد تامین میں ضمان کو بطور عوض نہیں بیچا جاسکتا۔

خلاصہ و نتیجۃ البحث:

بحث ھذا میں تامین تجاری کے قائلین و مانعین کی ادلہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ادلہ اور توجیہات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قائلین نے تامین کے جس پہلو کو مد نظر رکھ کر جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ لوگوں کی مصلحت اور ضرورت و حاجت ہے، اور بنیادی دلیل یہی اختیار کی گئی ہے کہ معاملات میں اصل حکم اباحت کا ہوتا ہے جب تک کہ کوئی دلیل اس اباحت کو حرمت میں نہ بدل دے۔ اور پھر قائلین کا خیال ہے کہ کوئی بھی صحیح و سالم دلیل موجود نہیں جو تامین تجاری کی حرمت کو ثابت کرے اور رہی بات غرر کی تو اس کا کئی طرق سے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری طرف مانعین نے تامین کے جس پہلو کو مد نظر رکھ کر حرمت کا فتویٰ دیا ہے وہ "غرر" ہے۔ عقد تامین میں غیر معمولی قسم کا غرر پایا جاتا ہے اس لیے شرعاً یہ عقد جائز نہیں ہے۔ فریقین کی دیگر ادلہ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

مگر دیکھا گیا ہے کہ قائلین کی ادلہ میں تکلف پایا جاتا ہے۔ ایک عام قاری و باحث جب قائلین کی ادلہ کا مطالعہ کرے گا تو وہ یقینی طور پر دیکھے گا کہ مشقت کے ساتھ دلیل پکڑنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اسی طرح مانعین کی ادلہ کا جواب دیتے ہوئے بھی بہت سی محتمل توجیہات پیش کی گئی ہیں، بلکہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دور کی کڑیاں ملانے کی کوششیں کی گئی ہوں۔ پھر قائلین کی ادلہ میں سے کسی بھی دلیل کی حیثیت نص کی نہیں ہے۔ تمام یا تو توجیہات ہیں یا ائمہ کے اقوال کا سہارا ہے۔

جبکہ مانعین کی اکثر ادلہ کی حیثیت نصوص کی ہے۔ یا پھر متفقہ قاعدہ فقہیہ کو بطور دلیل لیا گیا ہے۔ ایک عام قاری و باحث بھی محسوس کرے گا کہ مانعین کی ادلہ میں تکلف یا تصنع موجود نہیں ہے۔ نیز یہ بھی واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ مانعین نے قائلین کی ادلہ کا جواب بھی بلا تکلف دیا ہے۔

لہذا ایک طرف محتمل اور متکلف ادلہ ہیں دوسری طرف ثابت شدہ اور واضح دلائل ہیں۔ جن کی بناء پر تامین تجاری کے عدم جواز کے فتویٰ کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

مزید یہ کہ تامین کے معاشرے پر منفی اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں، ان منفی اثرات کے پیش نظر یعنی سد الذرائع کی بناء پر بھی تجارتی تامین کے جواز کی گنجائش نہیں نکلتی۔ جیسا کہ بہت سے کیسز سامنے آئے ہیں کہ مستامنین اپنے گھر کا، گاڑی کا اور اپنی قیمتی اشیاء کا جن پر تامین کرائی ہوتی ہے جان بوجھ کر معمولی یا مخصوص مقدار میں نقصان کر لیتے ہیں تاکہ تامین کی مبلغ حاصل کر سکیں۔ یہ چیز معاشرے کو غلط رویوں کی طرف دھکیل رہی ہے جو اخلاقاً اور شرعاً حرام ہے۔

مزید ایک پہلو اور قاعدہ کو مد نظر رکھا جائے تو اس کے عدم جواز کے حکم ہی کی تائید ہوتی ہے، جس کا تذکرہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "دع ما یریبک الی مالا یریبک"[1] (جس چیز میں شک و شبہ ہو اس کو چھوڑ دو اور جس پر یقین ہو اسے اختیار کر لو)۔ اس کی مزید تائید حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ" فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه وعرضه "[2] (جو شخص شکوک و شبہات والی اشیاء سے پرہیز کر گیا، گویا اس نے اپنی عزت اور دین دونوں بچا لیں)۔

[1] : ترمذي، محمد بن عيسى، سنن الترمذي، دار الرسالة العالمية، 2009م، ج: 4، ص: 668
[2] : بخاري، محمد بن اسماعيل، صحيح البخاري، دار التاصيل، قاهرة، 2012م، ج: 1، ص: 226

اب اگرچہ ادلہ کے جائزہ کے بعد معلوم ہو چکا ہے کہ مانعین کی ادلہ مضبوط اور واضح ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی سمجھتا ہے کہ نہیں مکمل تسلی نہیں ہوتی، تو اسے یہ ضرور بضرور یقین ہو گا کہ جواز کا پہلو بھی محل نظر ہے۔لہذا اسے اس حدیث کو مد نظر رکھنا چاہیے کہ شکوک وشبہات والے امور سے بچنا دین ودنیا دونوں میں اپنے آپ کو محفوظ بنانے کے مترادف ہے۔

سفارشات:

عقد تامین کے قائلین کا خیال ہے کہ تجارتی تامین وقت کی ضرورت ہے، تاکہ لوگ مطمئن ہو کر اپنی تجارتی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ تجارتی تامین کے ذریعہ کسی بھی حادثہ ونقصان کی صورت میں تاجر بدحال نہیں ہوتا۔ درحقیقت قائلین کا یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے ایسا کوئی پہلو مبہم نہیں چھوڑا جس پر روشنی نہ ڈالی ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دور حاضر کے تاجر کو معاشی لحاظ سے محفوظ اور خوش حال رکھنے کے لیے سیرت النبی ﷺ سے خصوصی طور پر روشناس کرایا جائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سیرت وتاریخ کا بھی مطالعہ کرایا جائے۔ ان کو ابواب البیوع اور خصوصی طور پر زکاۃ اور صدقات کی تفصیلات سے متعارف کرانا بہت ضروری ہے۔

کیونکہ قائلین کا خیال ہے کہ کمپنی یا ادارہ نقصان ہی ہے جو نقصان سے متاثر شخص کو بحال کر سکتی ہے، دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔ حالانکہ کمپنی یا ادارہ تو تجارت اور منافع کی غرض سے مارکیٹ میں بیٹھا ہوا ہے۔ جبکہ نقصان سے متاثر شخص کے لیے زکاۃ، ابواب الصدقات، نظام العاقلہ اور وقف وغیرہ میں بہت سی رہنمائی موجود ہے۔ اگر زکاۃ کا نظام بالکل صحیح طرح سے نافذ کر دیا جائے تو تامینی اداروں اور کمپنیوں کی حاجت سرے سے ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مصارف زکاۃ کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد معاشی طور پر متاثرین کو سپورٹ سرفہرست ہے۔

مجامع الفقہ الاسلامی کی طرف سے تجارتی تامین کے مقابلہ میں جو شرعی بنیادوں پر تامین متعارف کرائی گئی ہے، اس کے مطابق ادارے، این جی اوز اور جمعیات وغیرہ قائم کی جائیں، جو اس تجویز کردہ تامین کو عملی طور پر لوگوں کے لیے قابل استفادہ بنائیں۔

المصادر والمراجع

1. القرآن الكريم
2. ابن رشد، محمد بن أحمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، دار الحديث القاهرة،2004م
3. ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، رد المحتار على الدر المختار، دار الفكر، بيروت،1992م
4. بخاري، محمد بن اسماعيل، صحيح البخاري، دار التاصيل، قاهرة،2012م
5. ترمذي، محمد بن عيسى، سنن الترمذي، دار الرسالة العالمية،2009م
6. الثنيان، سليمان بن إبراهيم، التأمين وأحكامه، دار ابن حزم، بيروت،1424ه-
7. جماعة العلماء، الفتاوى الهندية، دار الفكر بيروت،1310ه-
8. الدبيان، دبيان بن محمد، المعاملات المالية أصالة ومعاصرة،1432ه-
9. سعد بن تركي الخثلان، فقه المعاملات المالية المعاصرة، دار الصميعي، الرياض
10. السنهوري، عبد الرزاق، الوسيط في شرح القانون المدني الجديد، منشورات الحلبي، بيروت،1998م
11. شبير، محمد عثمان، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، دار النفائس، أردن،2007م،
12. القرة داغي، علي محي الدين، التأمين الاسلامي دراسة فقهية تأصيلية، البشائر الإسلامية، بيروت،2014م
13. مسلم، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي، بيروت،1955م
14. المؤتمر الاسلامي بجدة، مجلة مجمع الفقه الإسلامي، جده،1431ه-
15. نزيه حماد، معجم المصطلحات المالية والاقتصادية في لغة الفقهاء، دار القلم، دمشق،2008م
16. هيئة كبار علماء المملكة، أبحاث هيئة كبار العلماء، رئاسة العامة للبحوث العلمية، رياض،2014م